اسلامی شریعت کا قیام ہمارا اوّلین فرض ہے

(فرمودہ ۱۴ ؍جنوری ۱۹۳۸ء)

تشہّد ، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

’’جلسہ سالانہ پر اور اس سے پہلے جو خطبات میں نے بیان کئے ہیں ان میں مَیں تحریک جدید کے بعض حصوں کے متعلق بیان کرتا رہا ہوں اور آج دوستوں کو اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ انسان جب تک خود اپنے سے دُشمنی نہ کرے اُس وقت تک کوئی اُس سے دشمنی نہیں کرسکتا۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو شخص اپنا دشمن نہیں ہوتا ، دنیا میں اُس کا کوئی دشمن نہیں ہوتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص سچے طور پر اپنے نفس کا خیر خواہ ہوتا ہے وہ لازماً باقی دنیا کا بھی خیر خواہ ہوتا ہے لیکن یہ بھی ایک لازمی بات ہے کہ جو شخص دنیا کا خیر خواہ ہوتا ہے دنیا ضرور اس سے دشمنی کرتی ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص اپنے نفس کا خیر خواہ ہو اور دنیا کا بدخواہ ہو اور پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی شخص دنیا کا خیر خواہ ہو اور دنیا اُس کی بدخواہ نہ ہو۔ جو شخص بھی دنیا کی خیر خواہی کرے لازماً دنیا اس کی دشمن ہوتی ہے۔ اور جب میں نے یہ کہا کہ کوئی اُس سے دشمنی کر نہیں سکتا تو میری مراد اس سے یہ ہے کہ اس کے ساتھ دنیا کی دشمنی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ جس قدر انبیاء دنیا میں آئے ہیں وہ سب سے پہلے اپنے نفس کے خیر خواہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ اوّل المؤمنین رہے ہیں۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز سننے کے بعد معاً اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سامنے پھینک دیا اور کہا کہ ہم اپنے آپ کو تیرے رستہ میں فنا کر کے

نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں اور جب انہوں نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے رستہ میں فنا کر کے ہر قسم کے خطرات سے محفوظ کرلیا تو اپنی خیر خواہی کے بعد ان کے اندر یہ طاقت اور ہمت پیدا ہوگئی کہ وہ دنیا کی خیر خواہی کرسکیں۔ ایک شخص جو تیرنا سیکھتا ہے سب سے پہلے اپنی جان بچاتا ہے اور جو اپنی جان کو بچالیتا ہے وہی اس قابل ہوتا ہے کہ دوسروں کو بچاسکے۔ اگر وہ اپنی جان کو نہ بچاسکے تو کسی صورت میں بھی دوسروں کو بچانے کے قابل نہیں ہوسکتا۔ مگر وہی تیرنے والا جو اپنی جان بچانے کے سامان پیدا کر کے دوسروں کی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے جب ایک ڈوبنے والے شخص کو بچانے کی کوشش کرتا ہے تو ڈوبنے والے کا مقدم کام یہ ہوتا ہے کہ اُسے ڈبوتا ہے اور یہ دنیا میں ایک عام قاعدہ ہے۔ ڈوبنے والے کے حواس چونکہ قائم نہیں ہوتے اس لئے اپنے آپ کو بچانے کیلئے وہ عقل کے ساتھ ہاتھ پیر نہیں مارتا بلکہ ہمیشہ ایسے رنگ میں ہاتھ پیر مارتا ہے کہ اسے بچانے والا بھی ساتھ ہی ڈوبنے لگے۔

مجھے ایک واقعہ بچپن کا یاد ہے۔ ایک دفعہ یہاں ڈھاب میں ایک کشتی اُلٹ جانے کی وجہ سے کچھ آدمی ڈبکیاں کھانے لگے۔ اُنہیں بچانے کیلئے کچھ اور آدمی کُودے لیکن ان کو ڈوبنے والوں نے پکڑ کر اس طرح ساتھ گھسیٹا کہ ان کے ناک اور منہ میں پانی پڑنے کی وجہ سے وہ بھی خطرے میں پڑ گئے۔ اس پر کچھ اور لوگ کُودے اور قریباً اٹھارہ آدمی اس طرح ڈبکیاں کھانے لگے۔ آخر ایک اچھے تیراک نے بعض دوسرے ہلکے تیراکوں کو سہارا دے کر سانس دلایا اور پھر ان کی مدد سے اس طرح پکڑ پکڑ کر ڈوبنے والوں کو نکالنا شروع کیا کہ وہ اُن کو ساتھ نہ ڈبوسکیں۔ تو یہ لازمی بات ہے کہ جو شخص دوسرے کو بچانا چاہتا ہے، ڈوبنے والا اُسے ضرور ڈبونے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے حواس چونکہ معطل ہوتے ہیں اس لئے وہ بچانے والے کو یا تو اپنا دشمن سمجھتا ہے یا اگر دوست بھی سمجھتا ہے تو ایسے رنگ میں اُس پر بوجھ ڈالتا ہے کہ وہ اُٹھا نہ سکے اور اس طرح اپنے ساتھ اسے بھی ڈبونے کی کوشش کرتا ہے۔ کثرت سے ایسی مثالیں ملتی ہیں اور ہر مہینہ ہی اخبارات میں کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ شائع ہوتا ہے کہ ایک شخص ڈوبنے والے کو بچانے کے لئے گیا مگر خود ڈوب گیا اور ڈوبنے والا بچ گیا۔ پس یہ ایک عام قانون ہے جس سے دنیا آزاد نہیں ہوسکتی۔ یعنی جو اپنی ذات کا خیر خواہ نہیں وہ دنیا کا خیر خواہ نہیں ہوسکتا اور جو دنیا کا

خیر خواہ ہو ممکن نہیں کہ دنیا اس کی دشمن نہ ہو۔ ہاں الٰہی سلسلوں میں خدا تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ ایسی دشمنیاں کامیاب نہیں ہوسکتیں۔

پس جب میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص اپنا دشمن نہیں ہوتا دنیا میں کوئی اُس کا دشمن نہیں ہوتا تو میری مراد اس سے یہی ہے کہ اس کے دشمن اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کے دشمن دنیا میں ہوتے نہیں۔ بیشک ان کے دشمنوں کو عارضی خوشیاں بھی کسی وقت نصیب ہو جاتی ہیں مگر حقیقی خوشی وہ کبھی حاصل نہیں کر سکتے اور کوئی واقعہ بھی جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے دشمن ان کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہوں۔ عارضی طور پر ان کو خوش ہونے کے موقع مل سکتے ہیں۔ جب وہ خیال کر لیتے ہیں کہ اب ہم اس جماعت کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے مگر آخر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اپنی جماعت کی مدد کو بڑھتا اور اس کو بچا لیتا ہے۔ پس اس قانون کے ماتحت حقیقی خیر خواہی انسان کی اپنے نفس سے یہی ہوگی کہ بنی نوع کی خدمت کرے اور خاص کر مذہبی میدان میں خدمت کرے اور جب وہ خدمت کرے گا تو لازماً لوگوں کی غلطیوں سے بھی ان کو آگاہ کرے گا اور وہ چونکہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں اس لئے ضرور اس کی مخالفت کریں گے اور اسے تباہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں آئے اور لوگوں کی اصلاح کیلئے کھڑے ہوئے لیکن جن کی اصلاح کیلئے وہ کھڑے ہوئے تھے اُنہوں نے ہی اُن کو تباہ کرنا چاہا۔ حضرت نوح علیہ السلام لوگوں کو بچانے کیلئے کھڑے ہوئے اور جن کو بچانے کیلئے وہ کھڑے ہوئے تھے انہوں نے ہی ان کو تباہ کرنا چاہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جن لوگوں کو بچانے کیلئے کھڑے ہوئے اُنہی لوگوں نے ان کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے تو ان کو بھی ان لوگوں نے جن کو بچانے کیلئے وہ کھڑے ہوئے تھے تباہ کرنا چاہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تا اپنی قوم کو ہلاکت سے بچائیں مگر اُن کی قوم نے ان کو ہلاک کرنا چاہا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو بچانے کیلئے کھڑے ہوئے مگر لوگ ان کے دشمن ہو گئے اور ہر ممکن طریق سے ان کو نقصان پہنچانا چاہا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ دشمن اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے مگر اپنی طرف سے انہوں نے کوئی کوتاہی نہ کی مگر یہ سب باتیں تبھی ہو سکتی ہیں جب انسان پہلے اپنے نفس کا خیر خواہ ہو۔

اور جب تک وہ یہ نہ کر سکے کسی دوسرے کی اصلاح کے قابل ہی نہیں ہو سکتا۔ کسی نے کہا ہے

آنانکہ خود گم اند کُجا رہبری کنند

جو شخص خود گمراہ ہو وہ دوسروں کو کہاں ہدایت دے سکتا ہے۔ دوسرے کو راستہ وہی دکھا سکتا ہے جو پہلے خود تلاش کرے اور جو شخص دوسرے کو گمراہی سے بچانے کیلئے آگے بڑھے گا اُس کی مخالفت بھی ہوگی اور لوگ اُس کے دشمن بنیں گے۔ گو یہ الٰہی قانون ہے کہ ایسے لوگوں کو دشمنی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ مخالفوں کو عارضی طور پر خوش ہونے کا موقع تو مل سکتا ہے مگر حقیقی خوشی وہ کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔

ہماری جماعت کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کے بعد اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ یعنی یہ کہ سب سے پہلے ان کو اپنے نفس کی اصلاح کرنی چاہئے اور اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ ان کے اندر طاقت پیدا کر دے تو پھر کوشش کریں کہ دوسروں کو بچائیں اور اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھیں کہ اس کے نتیجہ میں ان کی مخالفت لازمی طور پر ہوگی اور یہ بھی یاد رکھیں کہ ان کے مخالف کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ بظاہر ان کو ذلّت اور رُسوائی بھی ہو سکتی ہے مگر انجام کار وہی کامیاب ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب آتھم کے متعلق پیشگوئی فرمائی اور اس کے بعد اس نے اپنے دل میں رجوع کیا اور اس وجہ سے میعادِ مقررہ کے اندر اس کی موت نہ ہوئی تو لوگوں نے بڑی خوشیاں منائیں اور شور مچا دیا کہ مرزا صاحب کی پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ اُس زمانہ میں ریاست بہاولپور کے جو نواب تھے، اُن کے پیر چاچڑاں والے بزرگ تھے۔ ایک دن نواب صاحب کے دربار میں یہی ذکر ہو رہا تھا کہ مرزا صاحب نے پیشگوئی کی تھی جو غلط نکلی اور اِس پر لوگوں نے ہنسی اُڑانی شروع کی اور آہستہ آہستہ اہلِ مجلس کی باتوں سے متأثر ہو کر نواب صاحب بھی اس ہنسی میں شامل ہو گئے۔ اُس وقت مجلس میں وہ بزرگ بھی بیٹھے تھے۔ انہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت عقیدت تھی اور انہوں نے حضور کو خط بھی لکھا تھا وہ پہلے تو خاموش رہے مگر جب دیکھا کہ نواب صاحب بھی ہنسی میں شریک ہو گئے ہیں تو اس لئے کہ وہ نواب صاحب کے پیر تھے اور سمجھتے تھے کہ مجھے ان کو اس طرح ڈانٹنے کا حق ہے، بڑے جوش سے فرمایا کہ آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟

دنیا کے اندھوں کو یہ نظر آتا ہے کہ آتھم زندہ ہے مگر مجھے تو اس کی لاش سامنے پڑی ہوئی نظر آرہی ہے یعنی تم موت سے مراد ظاہری موت لیتے ہو اور یہ خیال نہیں کرتے کہ وہ موت کیا ہے یہ تو ہر انسان کو آتی ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی سے خوف کھا کر جو آتھم نے توبہ کی اور رجوع کیا، وہ جذبات کی موت تھی اور ظاہری موت سے زیادہ سخت تھی۔ تو سلسلہ کی خدمت کرتے ہوئے بعض دفعہ ایسی بات پیدا ہو سکتی ہے جو بظاہر رُسوائی کا موجب ہو مگر عقلمند جانتے ہیں کہ دراصل وہ بھی دین کی نصرت کا موجب ہوتی ہے۔

پس سب سے مقدم بات تو یہ ہے کہ اپنے نفسوں کی اصلاح کرو اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور اِس طرح پھینک دو کہ اُس کی نصرت حاصل کر سکو اور اگر تم یہ کر لو تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ مگر حالت یہ ہے کہ تم ہندو سے تو کہتے ہو کہ اسلام کی تعلیم افضل ہے مگر جب کوئی موقع پیدا ہوتا ہے تو تم جوش سے بھر جاتے ہو اور کہتے ہو کہ ایسے موقع پر اسلام کی تعلیم ہمیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی اور جب یہ حالت ہو تو خدا تعالیٰ کو تمہاری نصرت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ اگر تمہاری مدد کرتا ہے تو اس لئے نہیں کہ اس جماعت میں جو لوگ ہیں وہ اسے بہت پسند ہیں بلکہ اس لئے کہ یہ جماعت دنیا میں اُن اصولوں کو قائم کرنے کیلئے کھڑی ہوئی ہے جنہیں قائم کرنا اللہ تعالیٰ کا منشاء ہے۔ اگر تم میں یہ خصوصیت نہ ہو تو پھر تمہارے متعلق بھی وہی عام قانون ہوگا کہ ایک پر دو بھاری ہوتے ہیں۔ دو پر چار، سَو پر دوسَو، ہزار پر دو ہزار اور لاکھ پر دو لاکھ۔ لیکن اگر تم خدا تعالیٰ کے اصولوں سے اپنے آپ کو اس طرح وابستہ کر لو کہ تم میں اور ان میں کوئی فرق نہ رہے۔ تمہارے اندر توحید ایسی نہ ہو جیسی دنیا دار لوگوں میں ہوتی ہے بلکہ ایسے موحّد بن جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم مجسم توحید ہو جاؤ اور تمہیں اور توحید کو جُدا نہ کیا جا سکے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ ضرور تمہاری حفاظت کرے گا کیونکہ اس صورت میں تمہاری تباہی توحید کی تباہی کے مترادف ہوگی۔

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ کسی چیز کے ساتھ برتن کو بھی بچایا جاتا ہے۔ کسی پیپے میں گھی یا شہد بھرا ہوا ہو تو گو اُس پیپہ کی قیمت دو چار آنے سے زیادہ نہیں ہوتی مگر اس گھی یا شہد کیلئے جو اس کے اندر ہے، انسان اس کی بھی حفاظت کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر اس میں سوراخ ہو گیا تو

گھی یا شہد بہہ جائے گا۔ مٹی کی ایک پیالی جس کی قیمت دمڑی بھی نہیں ہوتی بلکہ کبھی تو چھوٹی پیالیاں پیسہ کی آٹھ آٹھ بکا کرتی تھیں اس میں اگر ایک انسان اپنے کسی عزیز کیلئے دوائی لئے جا رہا ہو اور اُس عزیز کی کمزور حالت کی وجہ سے دوا کے پہنچنے میں تأخیر کو مُہلک سمجھتا ہو، تو اس حالت میں اگر کوئی اس پیالی کو توڑنا چاہے تو وہ انسان اُسے بچانے کیلئے کتنی جدوجہد کرے گا۔ اگر وہ شخص کروڑ پتی بلکہ ارب پتی بھی ہے اور اس کے گھر میں چاندی کے برتنوں کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی تو بھی اس وقت وہ اس مٹی کی پیالی کو بچانے کیلئے جس کی قیمت کچھ بھی نہیں اپنی ساری جائیداد کو قربان کرنے کیلئے تیار ہو جائے گا۔ اس لئے نہیں کہ وہ مٹی کی پیالی اسے عزیز ہے بلکہ اس لئے کہ اس میں ایک ایسی چیز پڑی ہے جس کے ساتھ اس کے عزیز کی جان وابستہ ہے۔ وہ اسے بچانے کیلئے اس لئے جدوجہد نہیں کرے گا کہ وہ مٹی کی بنی ہوئی پیالی قیمتی شَے ہے بلکہ اس لئے کہ اس میں وہ دوا ہے جس کا فوراً اس کے عزیز کے پاس پہنچنا ضروری ہے۔ اسی طرح بے شک انسان خاک کا ایک پتلا ہے جو دنیا میں آتا اور چلا جاتا ہے اور اس لحاظ سے اس کی کوئی قیمت نہیں لیکن جب وہ اپنے اندر اُس تریاق کو بھر لیتا ہے جس سے دنیا نے زندہ رہنا ہے، اگر وہ اپنے اندر ایسی طاقت پیدا کر لیتا ہے جس سے دنیا میں نبوت قائم ہونی ہے اور جس سے دنیا میں صفاتِ الٰہیہ نے جاری ہونا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے اور وہ اس کی حفاظت کرتا اور دشمنوں کے ضرر سے اسے بچاتا ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اب اگر یہ انسان ٹُوٹا تو اس کے ساتھ ہی نبوت کا روح افزا شربت بھی بہہ جاتا ہے، توحید کی زندگی بخش رُوح بھی ضائع ہو جاتی ہے، دنیا میں صفاتِ الٰہیہ کا ظہور بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہر کوشش کرتا ہے اس کے بچانے کی تا وہ چیزیں محفوظ رہ سکیں جو اس کے اندر ہیں اور تا وہ دنیا میں قائم اور جاری ہو سکیں۔

جنگ بدر کے موقع پر جب لڑائی کی حالت ایسی خطرناک ہوگئی کہ یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کفار مسلمانوں کو بالکل مٹا دیں گے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک علیحدہ مقام پر جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور کہا کہ اے میرے خدا! اے میرے خدا! تیری ہدایت اور عبادت کو قائم رکھنے والا دنیا میں اِن چند ایک لوگوں کے سوا کوئی نہیں اور اگر یہ تباہ ہو گئے تو اور کوئی نہیں جو

اسے قائم کر سکے اس لئے ان کی حفاظت فرما۔[1] آپ نے یہ نہیں کہا کہ یہ میرے رشتہ دار ہیں یا میرے عزیز دوست ہیں یا کوئی معززین ہیں یا کسی عام صداقت کیلئے کھڑے ہوئے ہیں کیونکہ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی غیر معمولی سلوک کی کوئی وجہ نہ تھی اور ان کی قیمت اتنی نہ بن سکتی تھی کہ ان کے لئے دوسروں پر عذاب نازل کیا جائے۔ ان کی قیمت بڑھانے والی صرف یہی ایک چیز تھی کہ ان کا مٹنا خدا کی توحید کا مٹنا ہے اور اُس کی عبادت کا مٹنا ہے۔ پس آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ابوبکرؓ میرا پیارا ہے، عمرؓ اور عثمانؓ میرے پیارے ہیں اور دوسرے صحابہ میرے پیارے اور عزیز ہیں۔ ان سب امور کو نظر انداز کر کے آپ نے یہ فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل میں معرفت کی شراب بھری ہے اور اگر یہ لوگ مٹ گئے تو پھر دنیا میں تیری توحید اور تیری عبادت کو قائم کرنے والا اور کوئی نہ ہوگا۔

پس جب انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کی معرفت بھر جائے تو وہ اسے ایسا پیارا ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اس کی ذات کی خاطر نہیں بلکہ اس چیز کی خاطر جو اس کے دل میں بھری ہے۔ جس طرح انسان مٹی کی پیالی کی حفاظت کرتا ہے۔ اُس پیالی کیلئے نہیں بلکہ اس چیز کیلئے جو اس میں پڑی ہوئی ہے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ یہ سمجھتا ہے کہ اب یہ انسان محض خاک کا پتلا نہیں رہا بلکہ اب اس کے ساتھ میری توحید اور میری تعلیم وابستہ ہوگئی ہے اور اس کے اندر وہ چیز بھر گئی ہے جو دنیا کی نجات کیلئے ضروری ہے۔

پس مَیں جماعت کے دوستوں کو سب سے پہلے تو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات کو پیدا کریں اور اپنے آپ کو اس کی ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت اور مالکیتِ یوم الدین کی صفات سے ایسا وابستہ کرلیں کہ وہ معمولی انسان نظر نہ آئیں بلکہ ان کے اندر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، اُس کی رحمانیت و رحیمیت اور مالکیت یوم الدین کی صفات نظر آئیں اور اگر کوئی ان کو تباہ کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ کہے کہ ان پر حملہ کرنے والا دراصل میری ان صفات پر حملہ کرتا ہے۔ اگر یہ لوگ مٹ گئے تو اور کون ہے جو دنیا میں میری ان صفات کو قائم رکھے گا اس لئے وہ ان کی حفاظت کرتا ہے اور ان کا مقابلہ کرنے والوں کو ناکام کر دیتا ہے۔

تحریک جدید کے دوسرے دَور کی تحریک سے میری غرض یہی ہے کہ ہم دنیا میں اسلامی تعلیم

کو قائم کریں۔ اسلامی تعلیم اِس وقت مٹی ہوئی ہے اور ہم یہ کہہ کر اپنے دل کو خوش کر لیتے ہیں کہ اس کا قیام حکومت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حکومت کے ساتھ تعلق رکھنے والی باتیں بہت تھوڑی ہیں اور ان کا دائرہ بہت ہی محدود ہے۔ باقی زیادہ تر ایسی ہیں کہ ہم حکومت کے بغیر بھی ان کو رائج کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کی توحید اور عرفان کی خواہش دل میں رکھنا اور اس کیلئے جدوجہد کرنا، صفاتِ الٰہیہ کو اپنے اندر پیدا کرنا اور پھر ان کو دنیا میں رائج کرنا، قُربِ الٰہی کے حصول کی کوشش کرنا، امانت، دیانت، راستبازی وغیرہ وغیرہ سینکڑوں باتیں ہیں جن کا حکومت سے کوئی واسطہ نہیں۔ کیا اگر ہمارے پاس حکومت نہ ہو تو ہم نماز نہیں پڑھ سکتے، ذکر الٰہی نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنے نفس کو پگھلا نہیں سکتے دیانت اور امانت کو قائم نہیں رکھ سکتے؟ سچ نہیں بول سکتے؟ یقیناً یہ سب کچھ کر سکتے ہیں اور اس لئے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اسلام کی تعلیم بغیر حکومت کے قائم نہیں ہوسکتی۔ ان باتوں میں سے بعض ایسی ہیں جو انسان کی ذات سے وابستہ ہیں اور بعض ایسی ہیں جو نظام سے وابستہ ہیں اور نظام بغیر حکومت کے بھی قائم ہوسکتا ہے۔ دنیا میں کوئی سخت سے سخت حکومت بھی افراد کے نظام کو باطل نہیں کرسکتی۔ افراد کے معاملات میں زیادہ سے زیادہ دخل دینے والی حکومتیں جرمنی اور اٹلی کی ہی ہیں مگر ان میں بھی افراد کے نظام کو کلّی طور پر باطل نہیں کیا جارہا۔ لوگ اب بھی وہاں مجالس قائم کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ ملک کی اصلاح اور خدمتِ خلق بھی کرتے ہیں اور پھر ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوم کے ماتحت رکھا ہے کہ جس کی حکومت افراد کے نظام میں کم سے کم دخل دیتی ہے اس لئے نہیں کہ وہ اپنے ماتحت لوگوں سے کوئی رعایت کرنا چاہتی ہے بلکہ اس لئے کہ ان کے ملک کا نظام ہی ایسا ہے اور انگریز قوم نے حکومت کیلئے اس بارہ میں اختیارات اور قوانین ہی ایسے رکھے ہیں۔ اگر ہم کسی اور ملک کے ماتحت ہوتے تو ہمیں نظام قائم کرنے کے متعلق اس قدر آزادی حاصل نہ ہوتی جتنی اب ہے اور اس صورت میں اسلامی تعلیم کو قائم کرنے کیلئے ہمارا دائرہ عمل بہت محدود ہوتا۔ لیکن اب ہمارا دائرہ کافی وسیع ہے۔ اٹلی اور جرمنی وغیرہ ممالک جہاں فسطائی اور ناٹسی اصول رائج ہیں وہاں حکومتیں افراد کے معاملات میں زیادہ سے زیادہ دخل دیتی ہیں لیکن انگریز قوم نے اپنی حکومت کو ایسے اختیارات ہی نہیں دیئے

اور اس لئے برطانوی حکومت ایسے معاملات میں کم سے کم دخل دیتی ہے۔ میں اس وقت اس بحث میں نہیں پڑتا کہ دونوں میں سے کون سا اصل بہتر ہے۔ چاہے میرے نزدیک فسطائی یا ناٹسی اصول ہی نسبتاً زیادہ صحیح ہوں مگر بہرحال اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی حکومت کے ماتحت رکھا ہے کہ ہمارے لئے یہ موقع ہے کہ حکومت سے ٹکراؤ کے بغیر اسلامی تعلیم کو جاری کرسکیں اور پھر نظام کے ذریعہ اسے طاقت دے سکیں اور اس سہولت کی موجودگی مَیں سمجھتا ہوں الٰہی حکمت کے بغیر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب کسی نبی کو مبعوث کرنا ہوتا ہے تو ہزاروں سال پہلے اس کیلئے تغیرات کرتا ہے اور اس طرح داغ بیل ڈالتا ہے کہ اسے اپنے کاموں میں سہولت حاصل ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ برطانوی حکومت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت ہے۔[2] اس کے یہ معنے نہیں کہ انگریز قوم کے افراد بہت نیک اور اسلام کی تعلیم کے قریب ہیں۔ ان میں بھی ظالم، غاصب، فاسق، فاجر اور ہر قسم کا خُبث رکھنے والے لوگ موجود ہیں اور دوسری قوموں میں بھی۔ ان میں بھی اچھے لوگ ہیں اور دوسری قوموں میں بھی۔ جو چیز رحمت ہے وہ یہ ہے کہ یہ حکومت افراد کی آزادی میں بہت کم دخل دیتی ہے اور وہ جن معاملات میں دخل نہیں دیتی ان میں اسلام کی تعلیم کو قائم کرنے کا ہمارے لئے موقع ہے۔ پس یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ایسی قوم کو ہم پر حاکم مقرر کیا کہ جو افراد کے معاملات میں بہت کم دخل دیتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگر ناٹسی یا فیسسٹ لوگ ہم پر حکمران ہوتے تو وہ دوسرے معاملات میں انگریزوں سے بھی اچھے ہوتے۔ ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کا خوف ان سے زیادہ رکھنے والے اور زیادہ عدل کرنے والے ہوتے مگر انفرادی آزادی وہ اتنی نہ دیتے جتنی انگریزوں نے دی ہے۔ وہ اشخاص کے لحاظ سے تو اچھے ہوتے مگر سلسلہ کے لحاظ سے ہمارے لئے مُضر ہوتے اور اس کے یہ معنی ہوتے کہ جب تک اسلامی حکومت قائم نہ ہوجاتی اسلامی تعلیم کو قائم کرنے کا دائرہ ہمارے لئے بہت ہی محدود ہوتا اور اسلامی احکام میں سے بہت ہی تھوڑے ہوتے جن کو ہم قائم کرسکتے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہی معنوں کے لحاظ سے انگریزی حکومت کو رحمت قرار دیا ہے اور اس قوم کی تعریف کی ہے۔ آپ کا یہ مطلب نہیں کہ انگریز انصاف زیادہ کرتے ہیں بلکہ ہوسکتا ہے کہ انصاف کے معاملہ میں کوئی

دوسری حکومت اس سے اچھی ہو۔ قابلِ تعریف یہی ہے کہ اس قوم کے تمدن کا طریق یہ ہے کہ اس نے اپنی حکومت کو انفرادی معاملات میں دخل اندازی کے اختیارات نہیں دیئے۔

پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ جس ملک میں اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کرنا تھا وہاں ایسی قوم حاکم ہو جو لوگوں کے معاملات میں کم سے کم دخل دینے والی ہو۔ پس انگریزوں کی حکومت اس لئے قابلِ تعریف نہیں کہ اس کے افسر باقی سب حکومتوں سے انصاف زیادہ کرنے والے ہیں یا وہ اسلام کی تعلیم کے زیادہ قریب ہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ افراد کے معاملات میں بہت ہی کم دخل دیتی ہے۔ ان کی خوبی مثبت قسم کی نہیں بلکہ منفی قسم کی ہے۔ پس جیسا کہ میں نے جلسہ سالانہ کے موقع پر بھی دوستوں کو توجہ دلائی تھی۔ انہیں چاہئے کہ ان حالات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے وہ اسلامی تعلیم کو قائم کرنے کی کوشش کریں۔ یہ خیال کر کے بیٹھ رہنا بالکل نامناسب ہے کہ اسلامی تعلیم کا قیام اسلامی حکومت کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایسی باتیں تو سَو میں سے دس ہوں گی جو اسلامی حکومت سے تعلق رکھتی ہیں باقی نوے ایسی ہیں جو بغیر حکومت کے بھی قائم کی جاسکتی ہیں۔ نوے پر عمل کو اُس وقت تک ترک کرنا کہ دس پر عمل کرنے کا وقت آجائے، بیوقوفی ہے۔ جو شخص دس کی خاطر نوے ضائع کر دیتا ہے اس کی مثال اس لڑکے کی ہے جسے اس کی ماں نے ایک پیسہ دیا تھا کہ بازار سے تیل خرید لاؤ۔ وہ گیا، دکاندار نے اپنے پیمانہ کو بھر کر اس کے کٹورے میں تیل ڈالا چونکہ کٹورا چھوٹا اور تیل کچھ زیادہ تھا اس لئے تیل بچ گیا اور دکاندار نے کہا کہ یہ پھر کسی وقت لے جانا مگر لڑکے نے کہا کہ پھر کون آئے گا میں ابھی لے جاتا ہوں اور اس نے اپنا برتن اُلٹا دیا اور اس کے پیندے پر جو چھوٹا سا خلا تھا اس میں باقی تیل ڈالنے کو کہا۔ اُلٹا کرنے سے کٹورے کے اندر جو تیل تھا وہ تو گر گیا۔ جب گھر پہنچا تو اس کی ماں نے کہا کہ کیا اتنا تھوڑا تیل دکاندار نے دیا ہے لڑکے نے کہا کہ نہیں، دوسری طرف بھی ہے اور یہ کہہ کر برتن سیدھا کر دیا جس سے پیندے والا تیل بھی گر گیا۔

پس ہم بھی اگر دس باتوں کیلئے نوے کو ضائع کر دیں تو ہماری مثال بھی اسی احمق کی سی ہوگی۔ ہم اس لڑکے کی مثال کو سنتے اور ہنستے ہیں مگر ہم میں سے کتنے ہیں جو خود نوے کو دس کی خاطر ضائع نہیں کر رہے۔ اللہ تعالیٰ نے نوے فیصدی امور ہمارے اختیار میں دے دیئے ہیں

اور ایسے حاکم دیئے ہیں جن کے ملک کا دستور یہ ہے کہ وہ انفرادی آزادی میں کم سے کم دخل دیتے ہیں۔ دنیا میں بعض حکومتیں ایسی ہیں جو افراد کے معاملہ میں زیادہ سے زیادہ دخل دیتی ہیں تا اصلاح ہو۔ وہ کہتی ہیں کہ جب ایک بات میں ملک کا فائدہ ہے تو کیوں لوگوں کو طاقت سے اس پر کاربند نہ کیا جائے۔ مگر بعض دوسری حکومتوں کا اصول یہ ہے کہ جب تک انفرادی معاملات میں کم سے کم دخل نہ دیا جائے ، افراد کی قوت قائم نہیں رہ سکتی اور ان کی ذہنی ترقی رُک جاتی ہے اور لوگ محض ایک مشین بن کر رہ جاتے ہیں اور انگریزوں کی قوم اس آخری اصول کی کاربند ہے۔ اس کے برخلاف جرمن حکومت کا اصول یہ ہے کہ جب ایک بات مفید ہے تو اس بات کا انتظار کیوں کیا جائے کہ لوگ اس کے ذریعہ خود اپنی اصلاح کرلیں گے اور اپنے اپنے طور پر کوشش کر کے اس پر کاربند ہو جائیں گے۔ کیوں نہ حکومت خود اسے قائم کر دے اور جتنا چاہے دخل دے دے۔ اور اسلامی ترقی کیلئے ہندوستان میں زیادہ مفید وہی حکومت ہوسکتی تھی جو کم سے کم دخل دے اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں انگریزی حکومت کو قائم کر دیا۔ ہندوستان میں اس کے بجائے اگر کوئی اور حکومت ہوتی تو یہ تو ممکن تھا کہ ہندوستان دیگر لحاظ سے بہت ترقی کرتا۔ یہاں کی اقتصادی حالت اچھی ہوتی یا تجارت ترقی کرتی۔ یا یہ کہ آج ہندوستان میں زیادہ کارخانے ہیں، اس سے کئی گُنا زیادہ کارخانے ملک میں کُھل جاتے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انگریزی حکومت نے دوسو سال میں ہندوستان میں اتنا کام نہیں کیا جتنا اٹلی نے دو سال کے عرصہ میں حبشہ میں کیا ہے۔ پس اگر کوئی اَور حکومت یہاں ہوتی تو ممکن ہے بعض اور لحاظ سے ہندوستان کو زیادہ ترقی حاصل ہو جاتی مگر قومی اور شخصی اصلاح کے کاموں میں وہ آزادی ہرگز نہ ملتی جو انگریزی حکومت کے ماتحت اُسے حاصل ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ایسے سامان پیدا کر دیئے ہیں کہ ہم اسلامی تعلیم کے قیام کے دائرہ کو بہت وسیع کر سکتے ہیں اور اگر ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھی ہم ان کو قائم نہ کریں تو یہ ایک بہت بڑی حماقت ہوگی۔

انگریزی حکومت میں پرائیویٹ مدرسے جاری کرنے کی اجازت ہے مگر جرمنی میں نہیں۔ وہاں سب کو سرکاری مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ

ایسے مُلک میں دینی تعلیم کا انتظام نہیں ہوسکتا۔ روس میں پادری شور مچا رہے ہیں کہ ہمیں مذہبی تعلیم کی اجازت نہیں دی جاتی مگر حکومت کہتی ہے کہ بائبل کی تعلیم دینا کسی کیلئے روٹی کے سوال کو حل نہیں کرتا اس لئے ہم تم کو یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ ایک شخص کو ناکارہ بنادو۔ ایسی تعلیم جوان ہونے کے بعد دی جاسکتی ہے۔ ہمیں تو ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو زیادہ سے زیادہ روپیہ تجارت اور صنعت وحرفت کے ذریعہ دوسرے ممالک سے کھینچ سکے۔ اب دیکھو اگر کوئی ایسی ہی حکومت یہاں ہوتی تو ہم نہ احمدیہ سکول جاری کرسکتے تھے اور نہ مبلغین کے لئے جامعہ احمدیہ کے ذریعہ تعلیم کا انتظام کرسکتے تھے۔ حکومت سب کو جبراً سرکاری سکولوں میں تعلیم دلاتی اور دینی تعلیم کیلئے کوئی موقع نہ رہتا۔ سوائے اس کے کہ گریجوایٹ بن جانے کے بعد پھر نوجوانوں کی دینی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا جاتا لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ ہندوستان میں بھی یہ آزادی کب تک قائم رہے۔ اب یہاں مُلکی حکومت قائم ہورہی ہے اور بعض وزراء نے اپنی تقریروں میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے کہ پرائیویٹ مدرسے بند کردینے چاہئیں۔ پس پیشتر اس کے کہ وہ دن آئیں یا ان کے آنے میں ہم روک بننے کے اہل نہ رہ سکیں ہمیں اسلامی تعلیم کو اس طرح اپنے اندر قائم اور جاری کرلینا چاہئے کہ اگر دینی سکول توڑ بھی دیئے جائیں تو ہر احمدی اپنی جگہ پر پروفیسر اور فلاسفر ہو جو اپنے بچوں کو گھر میں وہی تعلیم دے جو ہم نے سکولوں میں دینی ہے۔ اس وقت جو بچے ہیں وہ اپنی ماؤں سے اور باپوں سے اور بھائیوں بہنوں سے وہی باتیں سُنیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منہ سے نکلی ہیں۔ اس طرح وہ وقت جو بچوں کو گھر میں والدین کے پاس رہنے کیلئے ملتا ہے، اسی میں ان کی دینی تعلیم و تربیت ہوسکے گی۔ ماں باپ سے ملنے کا وقت بچوں کو سخت سے سخت حکومتوں کے ماتحت بھی ملتا ہے۔ حتّٰی کہ روس میں بھی جہاں بہت پابندیاں ہیں، والدین سے بچوں کو ملنے کی اجازت ہے۔ پس اگر کوئی ایسا وقت آ بھی جائے جب دینی تعلیم کا انتظام حکومت ہمیں کرنے نہ دے۔ اُس وقت وہ وقت جو بچے والدین کے پاس گزاریں ان کی دینی تعلیم کو مکمل کرنے کا ذریعہ بن جائے۔

اس کے علاوہ علمُ النفس کا بھی ایک نکتہ ہے جسے ہم کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ جب کسی قوم کے اندر کوئی اچھی تعلیم قائم ہو جائے تو وہ بجائے خود ایک خاموش تبلیغ کا ذریعہ

بن جاتا ہے۔ اگر ہماری جماعت غلط خیالات پر مُصِر نہ رہے، قرآن کریم کی تعلیم کے متعلق یہ نہ کہے کہ وہ ہے تو بہت اچھی مگر اس سے ہر موقع پر گزارہ نہیں ہوسکتا بلکہ اسے ہر حال میں قائم کرے اور اس پر عمل کرے اور اس طرح دنیا کو اسے دیکھنے کا موقع دے۔ تو چونکہ وہ بہت اچھی تعلیم ہے دیکھنے والوں کے دل میں خود بخود یہ خیال پیدا ہوگا کہ ہمیں بھی اسے اختیار کرنا چاہئے۔

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں بعض چیزیں اخلاق کے لحاظ سے سخت مُضِر ہوتی ہیں، بعض صحت کے لحاظ سے مُضِر ہوتی ہیں مگر چونکہ وہ بظاہر اچھی نظر آتی ہیں اس لئے لوگ خود بخود انہیں اختیار کرتے جاتے ہیں۔ بھلا کوئی مبلغ کسی جگہ لوگوں کو یہ تلقین کرنے کیلئے گیا ہے کہ مانگ نکالا کرو مگر دیکھ لو ماں باپ بھی سمجھاتے ہیں، استاد بھی منع کرتے ہیں اور لوگ بھی کہتے رہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں مرد بنایا ہے یہ عورتوں والی ہیئت کیوں بناتے ہو مگر آجکل کے لڑکے ہیں کہ اس سے کسی صورت نہیں رُکتے۔ جس کے پاس کوئی اعلیٰ قسم کا تیل نہ ہو وہ بازار سے ایک پیسے کا کڑوا تیل ہی لے آئے گا اور ٹوٹی ہوئی کنگھی کے ساتھ ٹیڑھی مانگ نکال کر اس طرح اکڑ اکڑ کر چلے گا کہ گویا بادشاہ نے اُسے وزیر اعظم مقرر کر دیا ہے۔ پھر کبھی کسی نے دیکھا ہے کہ لیکچرار لیکچر دیتے پھرتے ہوں کہ داڑھیاں مُنڈواؤ۔ مگر جب ایک ہندوستانی نوجوان ایک انگریز کو دیکھتا ہے کہ ڈاڑھی منڈائے ہوئے اور پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر پھر رہا ہے تو وہ خود بخود چاہتا ہے کہ میں محمد ابراہیم نہ رہوں بلکہ ٹامسن ہو جاؤں۔ کیونکہ وہ عزت والا ہے اور اس کی نقل کرنے سے میں بھی شاید عزت والا سمجھا جانے لگوں۔ اور اسے اگر سیفٹی ریزر نصیب نہ ہو تو وہ دیسی کُند اُسترے سے اپنی ٹھوڑی پر خواہ دس زخم کیوں نہ کرے لیکن بال ضرور نوچ ڈالے گا۔ تا وہ بھی مسٹر ٹامسن معلوم ہو کیونکہ اسے اس میں ایک خوبصورتی نظر آتی تھی۔ چونکہ اسے اپنی مرعوب شدہ آنکھوں سے وہ دیکھتا ہے۔ مسٹر ٹامسن خوبصورت نظر آتا ہے اس لئے جھٹ اُس کی نقل کرتا ہے۔ سو تم اگر اسلام کی تعلیم کو عملی طور پر دنیا کے سامنے پیش کرو، خدا تعالیٰ کی صفات کو پیش کرو تو کیا تم سمجھتے ہو کہ لوگ انہیں اختیار نہ کریں گے اور تمہاری نقل نہ کرنے لگیں گے!

مجھے اِنہی دنوں یورپ سے ایک مبلّغ کی چِٹھی آئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میری ایک ایسے شخص سے ملاقات ہوئی جو روسی نظامِ حکومت کا قائل تھا اور خیال رکھتا تھا کہ اس کو قائم کئے بغیر

دنیا میں امن قائم نہیں ہوسکتا لیکن میں نے جب اُس کے سامنے آپ کی کتاب احمدیت سے اسلامی نظامِ حکومت والا حصہ رکھا اور اُسے کہا کہ اِن دونوں کا مقابلہ کرو اور دیکھو کہ سوویٹ سکیم میں جو نقص ہیں وہ اس میں دور کر دیئے گئے ہیں یا نہیں اور اس کی خوبیاں اس میں موجود ہیں یا نہیں؟ تو وہ کہنے لگا کہ ہاں اگر ایسی حکومت دنیا میں قائم ہوسکے تو پھر کسی اور کی ضرورت نہیں۔ اس دوست نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور لکھا ہے کہ میرے لئے ایسے خیالات کے آدمی سے ملاقات کا پہلا موقع تھا اور اسلام کی تعلیم نے جس طرح اس پر اثر کیا اس سے مجھے خیال ہؤا کہ یہ کس طرح دلوں کو موہ لینے والی تعلیم ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہم اسے دنیا کے سامنے پیش ہی نہیں کرتے۔ منہ سے تو کہتے ہیں کہ یہ تعلیم بہت اچھی ہے مگر چھوٹی چھوٹی باتوں میں کہ جو سب کو نظر آنے والی ہوتی ہیں عملی طور پر انہیں پیش نہیں کر سکتے۔ ہم میں سے بہت سے ہیں جن کو یہ بھی علم نہیں کہ ماں باپ اور بیٹوں کے باہمی تعلقات کے متعلق اسلام نے کیا تعلیم دی ہے۔ ہمسائیوں کے متعلق کیا تعلیم دی ہے، کون سے اصول ہیں جن کی پابندی ضروری رکھی ہے۔ مگر ان کی پابندی کا کبھی خیال بھی ہمارے دل میں نہیں آتا۔ منہ سے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہتے ہیں اور خیال کر لیتے ہیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ ہماری مثال اُس کمزور ہندو کی ہے جس کا مذہب اسے صبح ہی صبح دریا پر نہانے کا حکم دیتا ہے۔ مگر سردی کی وجہ سے اس کے لئے چونکہ یہ مشکل ہوتا ہے اس لئے وہ پانی کی گڑوی اپنے سر کے اوپر پھینکتا ہے اور خود کُود کر آگے ہو جاتا ہے اور اس طرح اس کا بدن خشک ہی رہتا ہے۔ بعینہٖ یہی حالت ہماری ہے۔ ہم اسلامی تعلیم کی گڑوی اس طرح اوپر پھینک کر خود آگے چھلانگ لگا جاتے ہیں کہ اس کا کوئی چھینٹا بھی ہمارے اوپر نہیں گرتا اور اس کے باوجود دل میں خوش ہوتے ہیں کہ اسلامی تعلیم پر عمل پیرا ہیں۔

پس مَیں دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ جلسہ سالانہ پر جس بات کا وعدہ انہوں نے کیا تھا اسے عملی رنگ میں پورا کریں۔ میں علماء سے بھی یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اسلامی تمدن کا پوری طرح مطالعہ کریں اور قرآن کریم اور احادیث سے اس کے احکام کو اچھی طرح مستنبط کریں اور پھر دیکھیں کہ اس کا کونسا حصہ ایسا ہے جس پر ہم آج بھی عمل کر سکتے ہیں اور پھر اسے جماعت کے سامنے بار بار پیش کریں اور لوگوں کے دماغوں میں اسے

اس طرح ٹھونسنے کی کوشش کریں کہ پھر وہ نکل ہی نہ سکے۔ہم میں سے ہر فرد کو جس طرح یہ معلوم ہے کہ میں احمدی ہوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام راستباز ہیں اسی طرح ہر زمیندار احمدی تک کو یہ علم ہونا چاہئے کہ اُس کے بیوی بچوں کے اُس پر کیا حقوق ہیں اور ان کے متعلق اُس پر کیا ذمہ داریاں ہیں، زراعت کے متعلق، امانت و دیانت کے متعلق، لین دین کے متعلق، دوسروں سے سلوک کے متعلق اسلام نے کیا تعلیم دی ہے اور یہ چیزیں اسے اس طرح یاد ہوں کہ آپ ہی آپ اس کے منہ سے نکلتی جائیں اور اس کے اعمال سے ظاہر ہوتی رہیں اور اس کے اندر اس طرح راسخ ہو جائیں کہ ان کا نکالنا مشکل ہو۔ جو بات اچھی طرح دل میں گڑ جائے پھر اس کا نکالنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کوئی شخص ہندو سے مسلمان ہؤا تھا، کسی مجلس میں بیٹھا۔جس طرح مسلمانوں میں اچنبھے کی کوئی بات سن کر اگر وہ بُری ہو تو اَسۡتَغۡفِرُاللّٰہ اور اچھی ہو تو سُبۡحَانَ اللّٰہ کہتے ہیں، اسی طرح ہندوؤں میں رام رام کہتے ہیں۔اس مجلس میں کسی نے کوئی اچنبھے کی بات کہی تو اس کے منہ سے بے اختیار رام رام نکل گیا۔کسی نے کہا مسلمان ہو کر بھی رام رام ہی کہتے ہو! تو اُس نے جواب دیا کہ میری زبان پر اللہ تعالیٰ کا لفظ تو آہستہ آہستہ ہی جاری ہوگا اور رام رام ذرا مشکل سے ہی نکلے گا۔تو انسان کو جس بات کی عادت پڑ جائے اُس کا نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے اس لئے اگر ہماری جماعت باہمی تعاون کے ساتھ اس بات کے پیچھے پڑ جائے کہ اسلامی تعلیم کو رائج کرنا ہے اِس کے متعلق کتابیں لکھی جائیں اور سوال و جواب کے رنگ میں چھوٹے چھوٹے رسالے شائع کئے جائیں۔جس طرح پکی روٹی یا اور اسی قسم کی پنجابی کتابیں موجود ہیں۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ ان میں کیا ہے لیکن بہر حال ایسی چھوٹی چھوٹی کتابیں جن میں سوال و جواب کی صورت میں اسلامی باتیں سکھائی گئی ہوں، تو ایسی کتب اس مقصد کے حصول کیلئے بہت مفید ہو سکتی ہیں اس لئے پنجابی میں، اردو میں، نظم میں، نثر میں ایسی باتیں لوگوں کے ذہن نشین کی جائیں کہ فلاں موقع پر کیا کرنا چاہئے، فلاں بات یوں کرنی چاہئے۔ غصہ کے وقت جو جذبات انسان کے ہوتے ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا کرنا چاہئے۔ مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر غصہ آجائے تو بیٹھ جاؤ، پھر بھی غصہ فرو نہ ہو تو ٹھنڈا پانی پیو، پھر بھی اگر غصہ دور نہ ہو تو وہاں سے ہٹ جاؤ۔[۳] اب اگر یہ باتیں لوگوں کو

اچھی طرح یاد کرادی جائیں تو روزمرہ کے وعظوں کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ سکتی۔ ناممکن ہے کہ ان سب باتوں پر انسان عمل کرے اور پھر بھی اس کا غصہ دور نہ ہو۔ ان سب باتوں کے کرنے کے دوران میں ضرور کسی نہ کسی نماز کا وقت آجائے گا اور اگر انسان نماز باترجمہ جانتا ہو تو ضروری ہے کہ نماز کے وقت اس کا غصہ دور ہو جائے۔ پھر ایک صورت غصہ کی یہ ہوسکتی ہے کہ جس بات کے متعلق غصہ ہے وہ مستقل نقصان کا موجب ہوسکتی ہو اور ہو بھی میاں بیوی کے درمیان۔ اس حالت کے متعلق بتایا جائے کہ اسلامی تعلیم کی رو سے مسلمان کو کیا کرنا چاہئے۔ مثلاً یہ کہ ایسے موقع پر اسلام کا حکم ہے کہ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا[4] مقرر کرو۔ یہ ایک ایسا حکم ہے جس پر عمل کی ضرورت میرے خیال میں ہزاروں کو پیش آتی رہتی ہے مگر وہ اس پر عمل نہیں کرتے کیونکہ انہیں علم ہی نہیں ہوتا۔ لوگ کیا کرتے۔ جب غصہ آیا جھٹ کہہ دیا طلاق۔ طلاق۔ طلاق۔ تین طلاق۔ دس طلاق۔ سَو طلاق۔ ہزار طلاق۔ تم میری ماں ہو، بہن ہو۔ حالانکہ اس سے زیادہ بیہودہ بات کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔

ایک وقت میں تو تین طلاقیں جائز ہی نہیں ہیں۔ مگر لوگ اس طرح طلاق طلاق کہتے چلے جاتے ہیں کہ گویا اس عورت کو سوٹے لگ رہے ہیں اور انہیں وہ ذرائع معلوم ہی نہیں جو غصہ کو فرو کرنے کے ہیں۔ اور پھر انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ مستقل نقصان کی صورت میں اگر اس کا بیوی کے ساتھ، بھائی بہن، ماں باپ یا ہمسایہ کے ساتھ جھگڑے سے تعلق ہو تو اس کے متعلق کیا کیا احکام ہیں حالانکہ اگر ان باتوں کا علم ہو تو انسان بہت سی پریشانیوں سے بچ سکتا ہے۔ پھر یہ پتہ نہیں کہ بیٹے کی جائیداد کے معاملہ میں ماں باپ کیلئے کیا حکم ہے۔ شریعت نے بیٹے کی جائیداد پر والدین کا اختیار نہیں رکھا۔ اولاد کو یہ اخلاقی تعلیم دی ہے کہ والدین کی خدمت کرے مگر یہ نہیں کہ جس طرح چاہیں اس کی جائیداد کو استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر ماں باپ کو ایسا حق ہوتا تو ان کیلئے شریعت زکوٰۃ کو جائز نہ رکھتی کیونکہ اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے لئے جائز نہیں۔ پھر بیٹے کی جائیداد میں باپ کیلئے شریعت نے ورثہ رکھا ہے اور انسان اپنے ہی مال کا وارث نہیں ہؤا کرتا۔

پھر نکاح کے متعلق باپ کی مرضی کو شریعت نے ایک حد تک ضروری رکھا ہے اور اگر اس کی مرضی کے خلاف ہو تو باپ کہہ سکتا ہے کہ بیوی کو طلاق دے دے۔ مگر شادی ہو جانے کی صورت میں

وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ بیوی سے تعلق نہ رکھو یا اس سے علیحدہ رہو۔ اگر لوگوں کو شریعت کے احکام کا علم ہو تو اب اگر وہ نوسَو ننانوے نافرمانیاں ہزار میں سے کرتے ہیں تو پھر یقیناً ایک رہ جائے اور وہ بھی کبھی جوش کی حالت میں۔ جوش کی حالت میں کسی بات کا نظر انداز ہو جانا اور بات ہے لیکن عدمِ علم کی وجہ سے تو کئی احکام کی تعمیل سے انسان رہ جاتا ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ ان امور کی طرف ہماری جماعت کے دوستوں کی کوئی توجہ نہیں۔ نہ ذمہ دار افسر توجہ کرتے ہیں، نہ علماء، نہ مدرّس اور نہ انجمن کے ناظر۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی اصل غرض جو آپ کو الہام میں بتائی گئی یہی ہے کہ یُحْیِ الدِّیْنَ وَ یُقِیْمُ الشَّرِیْعَةَ[۵] کہ وہ دین کو زندہ اور شریعت کو قائم کرے گا۔ پس ہمارا فرض ہے کہ شریعت جو مٹ چکی ہے، جو ہزاروں پردوں کے نیچے چھُپ گئی ہے، مسلمانوں کے نہ عوام اس پر عمل پیرا ہیں اور نہ علماء بلکہ ان کا علم بھی کسی کو نہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو کہا تھا کہ فریسی جو کہتے ہیں وہ کرو۔ جو کرتے ہیں وہ نہ کرو۔[۶] مگر اب تو یہ حالت ہے کہ ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے اس لئے جو کہا جاتا ہے وہ بھی اسلام کے خلاف ہے اور جو کیا جاتا ہے وہ بھی خلاف۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہزاروں توہمات اور رسومات کے نیچے دبے ہوئے اسلامی آثار کو پھر نکالیں۔ انگریز لاکھوں من مٹی کو کھُدواتے ہیں اور جب نیچے سے قدیم زمانہ کا ایک مٹی کا پیالہ بھی مل جاتا ہے تو بہت خوش ہوتے ہیں اور پھُولے نہیں سماتے مگر ہماری تو ساری جائیدادیں ہی مٹی کے نیچے دفن ہیں۔ کیا ہمیں ان کے نکالنے کی کوئی فکر نہ کرنی چاہئے؟ شریعت کے ایسے ایسے مخفی خزانے زمین کے نیچے دفن ہیں کہ جن کی قیمت کا کوئی اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ انسانی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس کیلئے مفصّل ہدایات موجود نہ ہوں اور جو ایسی روشن نہ ہو کہ جنہیں دیکھ کر تیز سے تیز نظر والے انسان کی آنکھیں بھی چُندھیا نہ جائیں۔ مگر یہ سب خزانے رسوم اور جہالتوں اور نسیان کی مٹی کے نیچے دفن ہیں اور ایک بے قیمت چیز کی طرح پڑے ہیں اور اُنہیں نکالنے کی طرف ہماری توجہ بالکل نہیں اور اس کام سے بالکل بے فکر ہیں۔

پس مَیں احباب جماعت کو ان کا عہد یاد دلاتا ہوں جو جلسہ سالانہ کے موقع پر انہوں نے کیا تھا اور یہ ہدایت کرتا ہوں کہ میرے اِس خطبہ کو ہر جگہ تمام دوستوں کو اکٹھا کر کے سنایا جائے

اور ان سے پھر عہد لیا جائے کہ وہ اسلامی تمدن اور اس کی تعلیم کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں گے۔ جلسہ سالانہ کی تقریر تو معلوم نہیں کب تک چھپے۔ گزشتہ سال کی تقریر بھی ابھی تک مجھے نہیں پہنچی اس لئے دوست کوشش کریں کہ یہ خطبہ ہر ایک احمدی تک پہنچ سکے۔ یوں بھی جلسہ سالانہ پر سب لوگ نہیں آ سکتے۔ بہت سے احمدی ہیں جنہوں نے اِس تقریر کو نہیں سُنا۔ پھر قادیان کے بھی کئی احمدی ہیں جو انتظاماتِ جلسہ کی وجہ سے یہ تقریر نہیں سن سکے اس لئے قادیان کی سب مساجد میں بھی اس خطبہ کو بار بار پڑھ کر سنایا جائے اور جلسہ پر جو عہد لئے گئے تھے انہیں بھی دُہرایا جائے اور پھر جماعت سے وعدہ لیا جائے کہ وہ اس پر عمل کریں گے اور احیائے دین اور قیامِ شریعت کی بنیادوں کو مضبوط کریں گے۔ تا قلیل سے قلیل عرصہ میں وہ تمدن قائم ہو جائے جس کو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے اور جس کو قائم کرنے کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ پس ہر جگہ یہ خطبہ سب دوستوں کو جمع کر کے سنایا جائے۔ قادیان میں بھی کئی مساجد میں نماز ہوتی ہے اس لئے یہاں بھی ہر مسجد میں اسے سنایا جائے اور دوبارہ سب سے وعدے لئے جائیں کہ وہ اس کی ہدایتوں کے مطابق عمل کریں گے۔ بیرونی جماعتوں میں کثرت سے ایسے لوگ ہیں جو جلسہ کے موقع پر نہیں آئے تھے اس لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ اس خطبہ کو لوگوں تک پہنچایا جائے اور اسے سنا کر لوگوں سے اقرار لئے جائیں کہ وہ آئندہ اسلامی تمدن اور تہذیب کے مطابق عمل کریں گے۔ اور جہاں تک حکومت کا قانون ان کو اجازت دیتا ہے تمدنی، معاشی، معاشرتی اور دوسرے معاملات میں اسلامی تعلیم کو رائج کریں گے۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں۔ بعض چیزیں جو دل میں گڑ جاتی ہیں ان کا نکالنا مشکل ہوتا ہے اس لئے اس کام پر سخت جدوجہد کرنی ہوگی۔ مثلاً بددیانتی اور محنت نہ کرنے کا مرض ہے۔ یہ ایسا مرض ہے جو بہت ہی خطرناک اور بہت سے نقصانات کا موجب ہے اور یہ ہماری جماعت میں بھی پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ دوسروں سے بِلا وجہ روپیہ لے لیتے ہیں اور پھر ادا کرنے کے وقت ہنس کر کہہ دیتے ہیں کہ ضائع ہوگیا۔ بعض امانتیں رکھ لیں گے مگر پھر ادا نہیں کریں گے اور ان چیزوں کو دور کرنے کیلئے ہمارے دوستوں کو بہت سی لڑائی اپنے نفسوں سے اور دوسروں سے کرنی پڑے گی لیکن نتیجہ نہایت اچھا ہوگا کیونکہ اگر ہماری جماعت اپنی دیانت کا سکہ بٹھا دے اور اس لحاظ سے اپنی شُہرت قائم کر لے

تو اقتصادی مشکلات کا خود بخود حل ہوسکتا ہے اس صورت میں لوگ خود آ آ کر ان کو روپیہ دیں گے۔

جب دہلی کا غدر ہوًا تو اس وقت دہلی میں حکیموں کا خاندان دیانت کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ اب میں نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے اپنا وہ معیار قائم رکھا ہوًا ہے یا نہیں۔ لیکن اُن دنوں میں اس لحاظ سے ان کی شُہرت بہت تھی اور ان کی بات بینک کی رسید سمجھی جاتی تھی۔ جب غدر ہوًا اُس زمانہ میں اس خاندان کے بڑے غالباً حکیم محمود خان صاحب تھے جو پٹیالہ کے شاہی خاندان کے طبیب تھے اور ریاست پٹیالہ کی فوجیں انگریزوں کی فوجوں سے مل کر باغیوں سے لڑ رہی تھیں۔ جب دلی فتح ہوئی تو ایسے موقعوں پر چونکہ لُوٹ مار ہوتی ہے اس لئے مہاراجہ پٹیالہ نے انگریز افسروں کو کہلا بھیجا کہ ہمارے حکیم صاحب کے مکان پر ایک گارد رہے گی تا ان کا مکان کوئی نہ لُوٹ سکے۔ چنانچہ پٹیالہ کی فوج کی گارد ان کے مکان پر پہرہ دینے لگی۔ لوگ اپنی جانیں بچانے کیلئے شہر سے بھاگ رہے تھے اور جاتے جاتے اپنے قیمتی اموال کی پوٹلیاں مَعَ اپنے پتہ وغیرہ کے ان کی ڈیوڑھی میں پھینک جاتے تھے۔ چونکہ گارد کی وجہ سے اندر جانا یا بات کرنا مشکل تھا اس لئے بھاگتے بھاگتے ڈیوڑھی میں پھینک جاتے تھے۔ میں نے اپنے نھیال کے رشتہ داروں سے یہ باتیں سُنی ہیں کہ امن قائم ہونے پر جب لوگ واپس آئے تو ہر ایک کی امانت اُسے مل گئی۔ ملک میں بددیانتی عام ہونے کی وجہ سے یہ بات بہت ہی عجیب معلوم ہوتی ہے لیکن اگر دنیا میں اسلامی تعلیم قائم ہوتی اور معیار اس کے مطابق ہوتا تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ پس اگر ہماری جماعت کے اندر امانت کی روح قائم ہو جائے تو پھر یہ سوال ہی باقی نہیں رہتا کہ روپیہ کہاں سے آئے۔ میں مانتا ہوں کہ سب بددیانت نہیں ہیں لیکن جب سَو میں سے دس بددیانت ہوں تو باقیوں کی امانت بھی مشتبہ ہو جاتی ہے۔ یہ چیزیں ایسی ہیں جو نظام کے ذریعہ سے ہی قائم کی جاسکتی ہیں، بغیر نظام کے نہیں۔ مثلاً اگر بددیانت کو سزا نہ دی جائے تو اس کا انسداد نہیں ہوسکتا۔ مگر اب کیا ہوتا ہے اگر کسی کے خلاف بددیانتی کی وجہ سے کارروائی کی جائے تو محلّہ کے آدھے لوگ اس کی تائید میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب یہ حالت ہو تو کسی کو سبق کیسے مل سکتا ہے اور اس بدی کو کیسے مٹایا جاسکتا ہے۔

انگلستان کے تاجر اس بات میں مشہور ہیں کہ وہ دھوکا نہیں کرتے اور اس شُہرت کی وجہ سے وہ فائدہ بھی بہت اُٹھاتے ہیں۔ وہ امانت اور دیانت سے تجارت اس وجہ سے نہیں کرتے کہ وہ اس کو مذہباً اچھا سمجھتے ہیں بلکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کو چھوڑنے سے ہماری تجارت کو نقصان پہنچے گا۔ مذہب کے وہ اتنے قائل نہیں ہوتے مگر تجارتی مفاد کے لئے اس حکم پر سختی سے عمل کرتے ہیں اس لئے تجارتی دنیا میں ان کی بات کو بہت پختہ سمجھا جاتا ہے۔ ان میں بھی بددیانت لوگ ہیں مگر بہت بڑی کثرت چونکہ دیانت سے کام کرنے والوں کی ہے اس لئے وہ اپنی قومی ساکھ کو قائم رکھ رہے ہیں۔ تو قومی دیانت سے ایسا اعتبار قائم ہو جاتا ہے کہ غیر قوموں کے لوگ بھی خود آ آ کر روپیہ دیتے ہیں۔ مسلمانوں میں جب تک دیانت قائم تھی، تجارت کا یہی اصول تھا۔ جب تاجروں کا قافلہ روانہ ہونے لگتا تو لوگ خود آ آ کر روپیہ دے جاتے تھے۔ وہ لے آتے تھے اور پھر واپس جا کر منافع ان میں تقسیم کر دیتے تھے۔ آج لوگ کہتے ہیں ہم تجارت کس طرح کریں حالانکہ اگر قومی دیانت قائم ہو جائے تو وہ لاکھوں روپیہ جو لوگوں کے گھروں میں پڑا ہے فوراً باہر آ سکتا ہے۔ یہاں قادیان میں ہی لوگوں کے پاس کافی روپیہ ہے۔ اگرچہ تنخواہیں اور آمدنیاں کم ہیں مگر ہم چونکہ کفایت سے گزارہ کرنا سکھاتے ہیں اور اسراف سے روکتے ہیں اس لئے لوگ کچھ نہ کچھ پس انداز کر لیتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب کسی نفع مند سَودا کا موقع ہو تو لوگ مجھے لکھتے ہیں کہ سفارش کریں یہ ہمیں حاصل ہو جائے اور کبھی ایسا نہیں ہؤا کہ کسی ایسے موقع پر باہر سے کسی کی طرف سے انتظار کرنا پڑے۔ اگر ایک ہزار کی جائیداد کے متعلق دس بھی ایسی درخواستیں آئیں تو اس سے یہ تو معلوم ہو سکتا ہے کہ ان دس لوگوں کے پاس دس ہزار روپیہ موجود ہے۔ پس اگر لوگوں کو یہ یقین ہو جائے کہ دوسروں کے ہاتھ میں جا کر ان کا روپیہ محفوظ رہے گا تو نہ صرف احمدی بلکہ دوسری قوموں کے لوگ بھی بخوشی اپنا روپیہ دے سکتے ہیں۔ مگر یہ بات انفرادی دیانت سے حاصل نہیں ہو سکتی، شُہرت ہمیشہ قومی دیانت ہی پکڑتی ہے اور اُسی وقت لوگ اپنا روپیہ دینے کیلئے تیار ہو سکتے ہیں جب یہ بات عام طور پر تسلیم کی جا چکی ہو کہ احمدی بددیانت نہیں ہو سکتا۔

میں بتا چکا ہوں کہ انگلستان کے تاجر اپنی اس دیانت کی وجہ سے تمام دنیا سے مال و دولت

اکٹھی کر کے لے گئے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں دھوکا کا خطرہ نہیں۔ اس لئے وہ سَودا دو پیسے گراں لے لے گا مگر لے گا انگلستان سے ہی۔ تو بعض باتیں بظاہر چھوٹی ہوتی ہیں مگر وہ اقوام کی حالت کو بدل کر رکھ دیتی ہیں۔ جس طرح دیانت قوم کی مالی حالت کو بہتر بنا دیتی ہے اسی طرح بددیانتی سے نقصان پہنچتا ہے۔ ایک شخص جو ایک روپیہ کسی کا کھا جاتا ہے، وہ تو خیال کرتا ہے کہ میں نے ایک روپیہ کھایا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک نہیں ایک کروڑ بلکہ ایک ارب کھاتا ہے کیونکہ اس کے ایک روپیہ کھانے کے یہ معنے ہیں کہ قومی دیانت پر حرف آئے گا اور قومی دیانت کی شُہرت کی صورت میں دوسروں سے جو کروڑ ہا روپیہ حاصل کیا جا سکتا تھا وہ نہ مل سکے گا۔ کیونکہ اس کی بددیانتی سے قومی دیانت کے متعلق شکوک پیدا ہو جائیں گے۔

پس یہ معمولی باتیں نہیں ہیں اور نہ معمولی کوشش سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اور اگر تم انہیں اپنے اندر پیدا کر لو تو پھر حکومتیں بھی اور بادشاہتیں بھی تمہارے سامنے جُھکیں گی اور سمجھیں گی کہ ان سے ملنے میں فائدہ ہے۔ اسی طرح اگر تم سچائی کا معیار بلند قائم کر لو تو اگر ایک شخص تم پر الزام لگانے والا ہو تو سَو اس کی تردید کیلئے کھڑا ہو جائے گا اور کہے گا کہ ہرگز نہیں، احمدی جھوٹے نہیں ہو سکتے۔ اخلاقی لحاظ سے اصولی صداقتیں چار ہیں۔ دیانت، صداقت، محنت اور قربانی۔ اور اگر یہ چار تم اپنے اندر پیدا کر لو تو یقیناً تم کامیاب ہو سکتے ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی انسان سے تعلق رکھنے والی ابتدائی صفات چار ہی ہیں اسی طرح یہ چار اصولی صداقتیں ہیں جن کے ماتحت سارے اخلاق آ جاتے ہیں۔ میں اس مضمون کو زیادہ وضاحت سے بیان کرنا چاہتا تھا مگر اب چونکہ دیر ہوگئی ہے اس لئے اِسی پر بس کرتا ہوں۔'' (الفضل ۲۱؍جنوری ۱۹۳۸ء)

۱؎ بخاری کتاب المغازی باب قصة غزوة بَدْرٍ

۲؎ تحفہ قیصریہ صفحہ ۱۳۔ روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۲۸۳ (مفہوماً)

۳؎ ابو داؤد کتاب الادب باب مَایُقَالُ عِنْدَالْغَضَبِ

۴؎ النساء: ۳۶

۵؎ تذکرہ صفحہ ۷۰ ایڈیشن چہارم

۶؎ متی باب ۲۳ آیت ۲، ۳ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی ۱۸۸۷ء لندن (مفہوماً)